جہاد اکبر یعنی تربیت کے جہاد کا معیار بلند کریں

اصلاحی کمیٹیوں کے قیام کا اعلان

(خطبہ جمعہ فرمودہ یکم مئی ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ وَلَوْ
شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۹﴾
اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَـَٔنَّ
جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ
الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ
وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ (ھود: ۱۱۸ تا ۱۲۱)

پھر فرمایا:۔

جن آیات کریمہ کی دو جمعہ پہلے تلاوت کی گئی تھی انہی کا مضمون جاری ہے آج جس آیت سے میں نے یہ مضمون شروع کیا ہے وہ ہے وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ کہ خدا ہرگز ایسا نہیں کرتا کہ کسی بستی والوں کو بِظُلْمٍ ظلم کی رو سے ہلاک کر دے وَاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ جبکہ اس کے رہنے والے اصلاح میں مصروف ہوں۔ اَهْلُهَا کا ایک معنی تو ''عام رہنے والے'' ہے یہاں اَهْلُهَا سے مراد ہے وہ جو بستی کا حق ادا کرنے والے

لوگ ہیں جو اس بستی کے اہل ہیں اور وہ تھوڑی تعداد میں ہوا کرتے ہیں، قرآن کریم کی کسی آیت پر اگر صحیح غور کرنا ہو تو اس کے سیاق و سباق کے ساتھ اس آیت کو دیکھا جائے تو پھر اصل مضمون ظاہر ہوتا ہے۔ یہ تمام آیات بتا رہی ہیں کہ بہت تھوڑے ہیں جو حق کو پانے والے ہیں، بہت تھوڑے ہیں جن کو نیکی کی توفیق ملتی ہے اور اکثر ایسے ہیں جو ضائع چلے جاتے ہیں۔ پس اَھْلُھَا سے ساری بستی کے اہل مراد نہیں ہیں بلکہ وہ جو بستی کے اہل کہلانے کا حق رکھتے ہیں اور انکی تعریف یہ ہے کہ وہ اصلاح میں مصروف رہتے ہیں۔

جہاں تک خدا تعالیٰ کی طرف ظلم کے منسوخ ہونے کا تعلق ہے یہ ظلم کے معانی کے اس طرح منافی ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم منسوب ہو کیونکہ ظلم عدل کے فقدان کو کہتے ہیں اور اندھیروں کو کہتے ہیں۔ ہر قسم کی تاریکی ظلم کے تابع ہے ہر قسم کی ناانصافی ظلم کے تابع ہے۔ تو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ جو نور کا منبع ہو اور جس سے عدل کے میزان نکلیں، جو عدل کے سلیقے دنیا کو سکھائے، جس کی ساری کائنات عدل کی ایک جیتی جاگتی تصویر بنی رہے اس کی طرف ظلم منسوب ہو سکے۔ اس لئے جب بھی قوموں کی ہلاکت کے فیصلے کئے جاتے ہیں تو لازماً ان قوموں کی کمزوریوں کے نتیجہ میں، ان کی خرابیوں کے نتیجہ میں ہلاکت کا فیصلہ کیا جاتا ہے اور جن کو بچایا جاتا ہے ان کو بھی عدل کے پیمانوں سے نہیں بلکہ رحم کے پیمانوں سے بچایا جاتا ہے۔ یہ وہ مضمون ہے جس کو خوب اچھی طرح سے سمجھنا چاہئے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کے واقعہ میں جبکہ فرشتوں نے آپ کو حضرت لوطؑ کی قوم کی ہلاکت کی خبر دی۔ یہ خدا تعالیٰ سے آپ کی گفتگو اور مناجات کا ذکر ہے فرشتوں سے انہوں نے بحث کی اور مراد یہ تھی کہ خدا تعالیٰ تک یہ بات پہنچے اور اللہ تعالیٰ اپنے فیصلے میں تبدیلی فرمائے۔ اس کا تفصیلی ذکر بائبل میں ملتا ہے۔ بارہا پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی یہ کوشش تھی کہ خدا تعالیٰ چند نیکوں کے بدلے ساری قوم کو معاف فرما دے۔ چنانچہ فرشتوں سے لمبی بحث چلی ہے یہاں تک کہ آخر پر آکر حضرت ابراہیمؑ نے یہ کہا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ اگر وہاں دس نیک ہوں تب بھی خدا اس قوم کو ہلاک کر دے گا تو فرشتوں نے کہا دس نیک ہوں تب بھی ہلاک نہیں کرے گا۔ حضرت ابراہیمؑ نے پھر اپنا ہاتھ اُٹھا لیا کہ ایسی بدنصیب قوم جہاں دس بھی نیک نہ ہوں ان کے لئے اسقدر بحث کرنا اور

مناجات کرنا بالکل بے فائدہ اور ناحق ہے۔پس جہاں جہاں مُصۡلِحُوۡنَ کا ذکر ہے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ساری بستی اگر اصلاح کرنے والی ہو تو اس کو اللہ ہلاک نہیں کرتا لیکن ہرگز یہ مراد نہیں ہے۔ بستی میں جو اہلیت رکھنے والے لوگ ہیں (اہل سے مراد باشندے ہیں مگر اہل کا ایک اور معنی بھی ہے کہ جو اہل کہلانے کے مستحق ہیں) وہ گنتی کے چند افراد ہوں وہ اگر کوشش میں مصروف ہوں اور ان کی اتنی تعداد ہو کہ اس نتیجہ میں قوم کی زندگی کے امکانات پیدا ہو جائیں تو جب تک ان کی کوشش کا نتیجہ نہیں نکلتا اس وقت تک اللہ تعالیٰ ان کو موقع دیتا چلا جاتا ہے اور اس حالت میں قوم کو ہلاک نہیں کرتا کہ مُصۡلِحُوۡنَ اپنی کوششوں میں مصروف ہوں۔

پس اس آیت کو آپ دوبارہ دیکھیں تو آپ کو پتا لگے گا کہ وَاَهۡلُهَا مُصۡلِحُوۡنَ میں اصلاح کی ایک جاری کوشش کا ذکر ہے، وہ اصلاح میں مصروف لوگ ہیں جو اپنے کام میں لگے چلے جاتے ہیں اور حتی المقدور کوشش کرتے چلے جاتے ہیں جب تک ان کو پورا موقع عطا نہیں کر دیا جاتا جب تک ان کی کوششوں کا آخری نتیجہ نہیں نکلتا اس وقت تک قوم کو ہلاک نہیں کیا جاتا۔آخری نتیجہ نکلنے کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ ہے کہ ان کی اصلاح کے نتیجہ میں کچھ لوگ اصلاح کے اثر کے نیچے اپنے آپ کو درست کرنے لگ جاتے ہیں، ان کے اعمال اچھے ہو جاتے ہیں۔خدا تعالیٰ کے فرمان کی اطاعت شروع کر دیتے ہیں خواہ جزوی ہو خواہ کلی ہو نیکی کی بات کا نیک ردعمل دکھانا یہ نتیجہ ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ فوری طور پر ایمان لے آئیں ایمان لانے کا مسئلہ بعض دفعہ دیر میں طے ہوتا ہے۔اگر اصلاح کی طرف کوئی توجہ شروع کر دے تو بالآخر لازماً وہ ایمان پر منتج ہوتا ہے۔ایسا شخص جو نیک باتوں کا مثبت جواب دینے لگتا ہے، شرافت کے ساتھ اور تقویٰ کے ساتھ نیک نصیحت کو قبول کرتا ہے وہ بالآخر ایمان دار بن جاتا ہے اور اس کا انجام نیکوں کے ساتھ ہوتا ہے اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

ع جس کی فطرت نیک ہے وہ آئے گا انجام کار (درثمین: ۱۳۷)

جس کے اندر نیکی کے آثار ہوں اس نے لازماً یہیں آ کر مرنا ہے، اس کو خدا تعالیٰ ضائع نہیں فرمائے گا۔پس وہ قومیں جن میں خرابیاں کثرت سے پھیل رہی ہوں اگر ان میں مصلحین پیدا ہو جائیں اور ان کی کوششوں کا نیک اثر ظاہر ہونا شروع ہو جائے تو ان قوموں کی آزمائش کو خدا تعالیٰ ان

معنوں میں لمبا کر دیتا ہے کہ مصلحین کو خوب موقع دیتا ہے اور قوم کو بھی خوب موقع دیتا ہے کہ صورتحال سے فائدہ اُٹھا کر اپنے اندر پاک تبدیلیاں پیدا کریں۔

پس کسی قوم کو بچانا ہو تو محض دُعائیں کام نہیں آئیں گی۔ دعاؤں کے ساتھ تدبیر کا ایک مضمون ہے جو ساتھ کے ساتھ چلتا ہے اور ضروری ہے کہ تدبیر کو اس کی انتہاء تک پہنچایا جائے۔ اس کے ساتھ پھر دُعاؤں کو بھی انتہاء تک پہنچایا جائے۔ یہ دونوں قوتیں ایسی ہیں جو مل کر یقیناً قوموں کی کایا پلٹ سکتی ہیں۔ یہ ایسی قوی طاقتیں ہیں کہ جس کے نتیجہ میں پھر قوموں کی تقدیریں بدلتی ہیں۔ مردے زندہ ہو جاتے ہیں۔ حیرت انگیز روحانی انقلاب برپا ہوتے ہیں۔

حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے زمانہ میں اس آیت کا زندہ نقشہ اس شان سے دکھائی دیا ہے کہ اس سے پہلے کبھی نظر نہیں آیا تھا۔ نہ آئندہ کبھی نظر آ سکتا ہے۔ آنحضور ﷺ نے کوششوں کو انتہاء تک پہنچا دیا اور دعاؤں کو بھی انتہاء تک پہنچا دیا اس کے نتیجہ میں دیکھتے دیکھتے مردہ بستیاں زندہ ہونی شروع ہوئیں اور ساری قوم کی کایا پلٹ گئی اور حیرت انگیز روحانی انقلاب برپا ہوا جس کا اثر پھر صدیوں تک جاری رہا ہے۔ آج بھی اس کا فیض دنیا میں جاری و ساری ہے اگرچہ اس شان کے ساتھ وہ فیض دکھائی نہیں دیتا۔ امت مسلمہ گر گر کر خواہ کسی بھی گراوٹ کے مقام تک پہنچ گئی ہو آنحضرت ﷺ کی تعلیم کی پیروی اور دعاؤں کی برکت سے اپنے مقابل پر دوسری امتوں کی نسبت ان کے دلوں میں کم شقاوت ہے۔ ان میں نیکی کا جو پانی ہے وہ بہت گہرا نیچے نہیں گیا۔ تھوڑا سا کھودنے سے پھوٹ پڑتا ہے اور بڑی بھاری تعداد ایسی ہے جو فطرتاً نیک ہے اور اس کے نتیجہ میں اگر ان پر کوشش کی جائے تو باقی قوموں کی نسبت ان پر کوشش کرنا زیادہ مفید ہے پس خصوصیت سے وہ احمدی جو پاکستان میں ہونے والے لمبے مظالم سے بہت دُکھی ہیں اور بعض دفعہ بددُعا کی طرف مائل ہوتے ہیں اور بعض دفعہ یہ فیصلے کر دیتے ہیں کہ بس یہ قوم گئی ان کو میں سمجھانا چاہتا ہوں کہ اصلاح کی کوششوں کو انتہاء تک پہنچانا ضروری ہے اور جیسا کہ اس سے پہلے مضمون گزر چکا ہے یہ چیز صبر کے سوا ممکن نہیں ہے۔ صبر کا مطلب ہے کہ کسی موقع پر بھی اُمید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ اپنے اوپر تکلیف لے لیں دوسرے کی تکلیف کی تمنا نہ کریں اور ظالم کے لئے بھی بددُعا میں جلدی نہ کریں۔ صبر کے ساتھ اگر وہ اصلاح کی کوشش کریں گے تو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی اُمت میں بہت گہری خوبیاں موجود

ہیں۔ان کی بدیاں نسبتاً سطحی ہیں چنانچہ ہر بڑے ابتلاء کے وقت مسلمانوں کی خوبیاں بہت جلد چمک کر باہر نکلتی ہیں اور حیرت انگیز قربانیاں یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے نام پر کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں صرف مصیبت یہ ہے کہ ان کی لیڈرشپ نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ایک لیڈرشپ نازل فرمائی حضرت امام مہدی اور مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ظہور اسی بات کی علامت تھی کہ تمہارا بدن گندہ نہیں ہے اسی بدن پر نیا سر لگایا جائے گا اور وہ سر ہے جو خدا سے روشنی پائے گا اس لئے سر بدلنے کی ضرورت ہے بدن بدلنے کی ضرورت نہیں سر خود بخود اس بدن کی اصلاح کرلے گا جو اس کے ساتھ وابستہ ہو جائے لیکن جو بدن سر سے وابستہ نہ ہونا چاہے اس کا تو کوئی علاج نہیں۔

یہ مثال میں ضمناً اس لئے پیش کر رہا ہوں کہ آپ اصلاح کی حکمتوں کو سمجھیں۔اللہ تعالیٰ نے امت محمدؐیہ میں مصلح بھیجا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس بدن میں اصلاح کی صلاحیتیں موجود ہیں اور ان سے پوری طرح استفادہ کرنا چاہئے اور اس معاملہ میں صبر کا دامن نہیں چھوڑنا اور اُمید کا دامن نہیں چھوڑنا۔دعا کرتے چلے جائیں اور اصلاح کرتے چلے جائیں اور خدا تعالیٰ کے فضل سے اس کے نتیجہ میں اگر ایک قوم کی ظاہراً ہلاکت مقدر بھی ہو چکی ہو تو وہ ظاہری ہلاکت کی تقدیر تبدیل ہو جائے گی یہی حال دوسری دنیا کا ہے۔یہ مطلب نہیں کہ صرف مسلمانوں کو بچایا جائے گا مراد یہ ہے کہ جو بھی نیکی کی طرف قدم اُٹھانے کی کوشش کرے گا لبیک کہے گا اس کو بچایا جا سکتا ہے پس جس جس ملک میں کوئی احمدی موجود ہے اس کا اپنے ملک سے وفا کا تقاضا یہ ہے کہ وہاں بھی اصلاح کی کوشش شروع کردے۔

کچھ عرصہ قبل میں نے اندرونی اصلاح کے لئے پاکستان میں کچھ اصلاحی کمیٹیاں بنائیں کچھ ہندوستان میں اصلاحی کمیٹیاں بنائیں اور مقصد یہ تھا کہ وہ نوجوان مرد ہوں یا عورتیں جو بُری تہذیب کے اثر سے ضائع ہو رہے ہیں، بد اثرات کو قبول کر رہے ہیں۔کوئی Drug کا Addict ہو رہا ہے، کوئی کسی اور بُرائی میں مبتلا ہو رہا ہے۔جب سارا معاشرہ گندہ ہو تو اس معاشرے میں ڈوبے ہوئے کپڑے کا کلیۃً اس اثر سے الگ رہنا اور اس اثر کو ہمیشہ رد کرتے چلے جانا بہت مشکل کام ہے۔ اس کے لئے بڑی جدوجہد کی ضرورت ہے اور اندرونی طور پر ایک نظام ہونا چاہئے جو مقابلہ کرے۔ اس غرض سے میں نے اصلاحی کمیٹیاں بنائیں کہ وہ جماعت احمدیہ کے کمزوروں پر نظر رکھ کر پیشتر اس سے کہ وہ اثر کو قبول کرلیں آثار دیکھ کر ان کی اصلاح کی کوشش شروع کردیں۔اس سے پہلے غلطی سے

یہ رجحان پیدا ہو رہا تھا کہ جو شخص کسی بُرائی میں اتنا بڑھ جائے کہ اس کے خلاف آپریشن کا، جراحی کا فیصلہ کرنا پڑے اس کا معاملہ زیر نظر لایا جائے اور پھر یہ کہا جائے کہ مجبوری ہوگئی ہے اب اس کو کاٹ کر پھینکا جائے۔ یہ بات اس آیت کے منافی ہے کاٹ کر پھینکنے کا عمل تو دراصل خدا کی طرف سے فیصلہ ہوتا ہے اور اس وقت ہوتا ہے جب خدا فیصلہ کرتا ہے کہ یہ قوم بگڑ کر ضائع ہو چکی ہے اس وقت دنیا کی کوئی طاقت اس عمل کی راہ میں حائل نہیں ہوسکتی۔ ہمارا کام مُصۡلِحُوۡنَ کا ہے۔ یعنی یہ کوشش کرتے چلے جانا کہ کوئی بھی کاٹ کر نہ پھینکا جائے تو ہماری کوشش تو اس سے بہت پہلے شروع ہونی چاہئے بجائے اس کے کہ یہ انتظار کرتے رہیں کہ کوئی شخص بیماری کی انتہا تک پہنچ جائے تو کہا جائے کہ بس اب یہ گیا اب اس کو دفن کر دو۔

ان کمیٹیوں سے متعلق میرا پروگرام یہ ہے کہ ساری دنیا میں ان کمیٹیوں کو رائج کرنا چاہئے انگلستان میں بھی، امریکہ میں بھی یورپ کے اور مشرق کے تمام ممالک میں بھی کیونکہ بیرونی اصلاح سے پہلے اندرونی اصلاح کی ضرورت ہے اگر اندرونی اصلاح کا معیار بلند ہوگا تو جماعت بیرونی اصلاح کے لائق ہوگی اگر اندرونی اصلاح کا معیار بلند نہیں ہوگا تو باہر سے بُرائیاں آپ کے اندر سرایت کرنے لگ جائیں گی بجائے اس کے کہ آپ دوسروں کی بُرائیاں دور کریں آپ ان کی بُرائیوں کا شکار ہو جائیں گے اس لئے میں مُصۡلِحُوۡنَ کا صرف یہ معانی نہیں سمجھتا کہ غیروں کی اصلاح کرو۔ مُصۡلِحُوۡنَ کا جو عمل ہے وہ دونوں صورتوں میں جاری و ساری ہے دونوں ہی جہاد ہیں۔

تربیت کا جہاد بھی اور تبلیغ کا جہاد بھی اور تبلیغ کے جہاد کا معیار براہ راست تربیت کے جہاد کے معیار سے متعلق ہے۔ جتنا تربیت کا جہاد بلند معیار کا ہوگا اتنا ہی تبلیغ کا معیار از خود بلند ہوتا چلا جائے گا اس لئے ہر ملک میں نظام جماعت کی طرف سے اور طرز کی اصلاحی کمیٹیاں بنی چاہئیں۔ یعنی اس بات کا انتظار کرنے والی نہیں کہ جیسے مکڑی جالے میں بیٹھ کر انتظار کرتی ہے کہ کوئی بے وقوف مکھی پھنسے تو اس کے مارنے کا انتظام کیا جائے صرف ایسے بیماروں کو ان کی طرف منتقل نہ کیا جائے کہ جن کے متعلق فیصلہ ہو کہ ان کو اب کیا سزا دی جائے بلکہ کمیٹی کا فرض ہو کہ وہ یہ نظر رکھے کہ آثار کے لحاظ سے کس خاندان میں کمزوریاں آ رہی ہیں۔ کن کی بچیاں بے پرواہ ہوتی چلی جارہی ہیں، کن کے لڑکے باہر کی طرف رُخ کر چکے ہیں اور جماعت سے محبت کی بجائے ان کا تعلق رفتہ رفتہ کٹ کر

غیروں سے محبت کی طرف منتقل ہو رہا ہے، ان لوگوں پر نظر رکھ کر ان کو پیار اور محبت سے واپس لانا بہت زیادہ آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ جب معاملہ حد سے گزر جائے اور بدیاں کسی میں سرایت کر جائیں اس وقت ان بدیوں کو نوچ کر جسم سے باہر نکال پھینکنا بڑا مشکل ہے۔ تو اس آیت پر غور کرتے ہوئے مجھے خیال آیا کہ اب ضروری ہے کہ تمام دنیا میں جماعتیں اس غرض سے اصلاحی کمیٹیاں قائم کریں کہ جو بیماریوں کی پیش بندیاں کرنے والی ہوں۔

اس سلسلہ میں ایک مرکزی اصلاح کمیٹی ہر امیر کے تابع کام کرے گی اور ان کو اختیار ہے اور حق ہے کہ اپنے اپنے دائرے میں مجلس خدام الاحمدیہ، مجلس انصار اللہ اور لجنہ اماء اللہ سے وہ پورا پورا فائدہ اُٹھائیں۔ وہ اگر مناسب سمجھیں تو بعض معاملات کو خدام کی معرفت طے کریں، بعض کو لجنات کی معرفت طے کریں بعض جگہ تینوں کو بیک وقت کوشش کرنی پڑے گی۔ ایک خاندان کا معاملہ ہے وہاں نیک اثر ڈالنے کے لئے خدام کو بھی حرکت دینی ہوگی، انصار کو بھی اور لجنات کو بھی اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ اگر آپ یہ کام شروع کریں گے تو اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ آپ کے حق میں ضرور پورا ہوگا کہ آپ کی وجہ سے قومیں بچائی جائیں گی۔ آپ کی وجہ سے اگر جماعتیں بچائی جائیں گی تو یہی جماعتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک قوموں کو بچانے کی اہل قرار دی جائیں گی اور جب تک وَاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ کا عمل جاری ہے خدا تعالیٰ کے عذاب کی تقدیر نہیں اُترے گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر یہ فیصلہ اس رنگ میں ہو جائے کہ کوششیں انتہا تک پہنچ جائیں اور مقابل پر ردعمل بھی انتہاء تک پہنچ جائے اور پتھر کی طرح لوگ ہوں جو اثر کو قبول نہ کریں تو ایسی صورت میں پھر ہلاکت کی تقدیر کی راہ میں دنیا کی مصلحین کی کوئی جماعت حائل نہیں ہوسکتی۔ وہ تقدیر لازماً آتی ہے اور پھر مُصْلِحُوْنَ سے کیا سلوک ہوتا ہے؟ یہاں اَهْلُهَا کا دوسرا معنی نمایاں طور پر اُبھر کر کارفرما ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ میں نے یہ ترجمہ کیا تھا کہ اھل کا مطلب صرف رہنے والے نہیں بلکہ رہنے والے کہلانے کا حق رکھنے والے لوگ ہیں جو حقیقت میں اہلیت رکھتے ہیں کہ اس ملک کی طرف منسوب ہوں جن کے اندر زندگی کے آثار اور کردار موجود ہیں جو اہل ملک اور ملک کے باشندہ کہلانے کے مستحق لوگ ہیں۔ اس کے متعلق قرآن کریم سے پتا چلتا ہے دوسری آیت میں بہت کھل کر یہ مضمون آیا ہے کہ جب قوموں کی ہلاکت کا فیصلہ کیا جاتا ہے تو وہ لوگ جو اس فیصلہ تک

مسلسل اصلاح میں مصروف رہتے ہیں ان کو ان جگہوں کو وارث بنا دیا جاتا ہے اور یہ مضمون قرآن کریم میں بارہا بہت کھل کر بیان ہوا ہے۔

پس اہلیت کا مضمون وراثت کے مضمون کے ساتھ ملا کر دیکھیں تو بات بالکل کھل جاتی ہے آپ اصلاح میں مصروف رہیں دیانتداری اور تقویٰ کے ساتھ اپنی اصلاح بھی کریں اور ماحول کی اور غیروں کی اصلاح بھی کریں اور یہی اصلاحی کمیٹیاں نہیں تو کچھ اور اصلاحی کمیٹیاں پہلو بہ پہلو مقرر کی جائیں جو معاشرے کی بُرائیوں کے خلاف علم بلند کرنا شروع کر دیں۔ان میں لکھنے والے نوجوان اخبارات سے رابطے کریں، دانشوروں سے رابطے کریں، ٹیلی ویژن اور ریڈیو اگر ہے،تو ان کو لکھا جائے پروگراموں میں شامل ہوں۔ایسے سیمینار مقرر کئے جائیں جن میں بُرائیوں کے خلاف مذہب کی تمیز کو نظر انداز کرتے ہوئے جہاد کا پروگرام شروع کیا جائے اور یہ جو جہاد ہے یہ ملکی سطح پر ہوگا اس میں لیڈرشپ احمدی کے ہاتھ میں ہونی چاہئے کیونکہ حقیقت میں احمدی ہی مفاد پرستی کے چھوٹے چھوٹے خیالات سے بالا ہو کر اصلاح کا کام کر سکتا ہے احمدی Racialism سے پاک ہے، تعصّبات سے پاک ہے، مذہبی تعصّبات سے پاک ہے ورنہ وہ آنحضورﷺ کی طرف منسوب ہونے کا حق ہی نہیں رکھتا کیونکہ آنحضورﷺ کی طرف منسوب ہونے کا حق وہی رکھتا ہے جو رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ (انبیاء: ۱۰۸) کی صفات پیدا کرنے کی کوشش کرے اور عالمین میں کوئی تفریق ہی نہیں کی گئی۔کالوں کا عالم اور گوروں کا عالم شمالیوں کا عالم اور جنوبیوں کا عالم مشرق اور مغرب کے عالم میں کوئی فرق نہیں دکھایا گیا، مذہبی عالم کا بھی کوئی ذکر نہیں ہے۔آنحضورﷺ اسی طرح عالمین کے لئے رحمت ہیں جس طرح رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ نے آپ کو اپنی ربوبیت کے تابع رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ قرار دیا ہے۔رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ کی ربوبیت جس طرح تمام عالموں پر یکساں ہے اور اللہ تعالیٰ سب کی برابر تربیت فرماتا ہے اسی طرح رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ کا جو یہ لقب ہے۔یہ کوئی معمولی لقب نہیں ہے اپنی وسعت اور گہرائی میں اس سے بڑا لقب دنیا کے کسی دوسرے نبی کو عطا نہیں ہوا۔

پس احمدی کے لئے رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ کے مضمون کو سمجھ کر حضرت اقدس محمد مصطفیﷺ سے تعلق جوڑنا چاہئے اور جب یہ تعلق قائم ہو جائے گا تو آپ کی نظر بہت بلند ہو جائے گی۔آپ کے حوصلے بہت وسیع ہو جائیں گے۔آپ Racialism کا شکار ہو ہی نہیں سکتے ناممکن ہے کہ آپ

کالوں اور گوروں اور سفیدوں اور سرخوں کی تفریق میں کسی قسم کی پارٹی بن سکیں آپ کے دل میں رحمت کا خیال موجزن رہے گا۔ ہر بنی نوع انسان کے دُکھ کو دور کرنے کا سچا جذبہ دل میں پیدا ہوگا۔ ہر ایک کا پیار دل میں پیدا ہوگا اور **رحمۃ للعالمین کے ساتھ انصاف کا گہرا تعلق ہے**۔ ایک عالمی انصاف کے بغیر کوئی شخص کسی کے لئے رحمت بنایا ہی نہیں جا سکتا۔ ان دونوں مضمونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے لیکن اس تفصیل میں جانے کی نہ سر دست ضرورت ہے نہ موقع لیکن یادرکھیں کہ بین الاقوامی تعلقات میں یا بین المذاہب تعلقات میں جس شخص کو انصاف نصیب نہ ہو وہ رحمت نہیں بن سکتا لازماً آپ کو وسیع پیمانے پر انصاف کے سلوک کی اہلیت پیدا کرنی ہوگی اس کے بعد آپ رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ بنائے جائیں گے اس سے پہلے نہیں اور یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں جن کی آج دنیا کو سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ ایسی صورت میں جب آپ مُصۡلِحُوۡنَ کا کردار ادا کرتے ہیں تو اس کے نتیجہ میں حیرت انگیز انقلاب برپا ہوگا اور اس گُر کو سمجھنے کے بعد آپ کو سچے مصلح اور جھوٹے مصلح میں تفریق کی بھی سمجھ آجائے گی۔

قرآن کریم سے پتا چلتا ہے کہ بہت سے مفسدین ہیں کہ جب ان کو کہا جائے کہ اصلاح کرو تو قَالُوۡۤا اِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ (البقرہ:۱۲) وہ کہتے ہیں ہم تو بڑے مصلح ہیں ہم تو اصلاح کرنے کی غرض سے قائم ہوئے ہیں فرمایا اَلَاۤ اِنَّهُمۡ هُمُ الۡمُفۡسِدُوۡنَ وَلٰـكِنۡ لَّا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۳﴾ (البقرہ:۱۳) خبردار یہی وہ مفسدین ہیں جن کا ہم ذکر کرتے چلے آرہے ہیں ان کے اندر فساد کی ساری باتیں موجود ہیں وَلٰـكِنۡ لَّا يَشۡعُرُوۡنَ لیکن بیوقوفوں کو شعور ہی نہیں ہے کہ وہ مفسد ہیں۔

میں نے جو دو باتیں آپ کے سامنے بیان کی ہیں یہ شعور پیدا کرنے والی باتیں ہیں۔ ان پر آپ غور کریں تو آپ کے اندر مفسد اور مصلح کی تفریق کا شعور پیدا ہو جائے گا۔ یہ وہی مفسدین ہیں جن پر آپ نظر ڈال کر دیکھ لیجئے کہ اصلاح کے نام پر ناانصافیاں کرتے ہیں۔ اصلاح کے دعوے کر کے اپنے مخالفوں سے جن کے خلاف انہوں نے کئی بہانوں سے جدوجہد کے آغاز کئے ہوتے ہیں ان سے جب بھی انصاف کا معاملہ آئے ناانصافی کا سلوک کرتے ہیں۔ یہ جماعت اسلامی دیکھ لیں مصلحین کا دعویٰ کرنے والے یہ مصلحین کی جماعت بنتی ہے۔ پاکستان میں جماعت احمدیہ

کے معاملہ میں جب بھی فیصلہ کا وقت آیا ان بدنصیبوں نے ہمیشہ ناانصافی سے کام لیا ہے۔ تقویٰ کو چھوڑ دیا، قرآن کے انصاف کے اصولوں کو چھوڑ دیا ان کے جج ہوں یا غیر جج ہوں جب بھی فیصلہ کا وقت آیا ہے انہوں نے احمدی سے ہمیشہ ناانصافی کی ہے تو ناانصافی بتاتی ہے کہ کون مفسد ہے۔ آزمائش کے وقت انصاف پر قائم ہو جانا اور بظاہر اپنے قریب کے خلاف فیصلہ دے دینا اور اپنے دور کے حق میں فیصلہ دے دینا یہ انصاف کا ایسا تقاضا ہے جس پر پورے اُترے بغیر کوئی شخص منصف نہیں کہلا سکتا اور جو منصف نہ ہو وہ رحمت نہیں بن سکتا وہ ہمیشہ زحمت بنے گا کیونکہ عدل اور انصاف کے فقدان کا نام زحمت ہے اور عدل اور انصاف کے قیام کے بعد رحمت پیدا ہوتی ہے۔

اس مضمون کو میں نے مختصراً بیان کیا ہے تا کہ آپ اس کو خوب سمجھ لیں اس کو سمجھنے کے بعد ہر احمدی کا دل یقین سے بھر جاتا ہے کہ وہ یقیناً مصلح ہے اور اس کے متعلق یہ اعلان نہیں کیا جا سکتا کہ وَلٰكِنۡ لَّا يَشۡعُرُوۡنَ کہ ہیں تو مفسد لیکن وہ سمجھتے نہیں کیونکہ جو انصاف پر قائم ہو اس کو خدا تعالیٰ رحمت کی خوبیاں بھی عطا فرماتا ہے اور ایسے شخص کو مفسد کہا ہی نہیں جا سکتا یہ عقل کے خلاف بات ہے۔

پس ان معنوں میں آپ اصلاح کی کوشش کریں۔ اول تقاضا انصاف کا ہے، انصاف پر قائم ہوں پھر آپ کے اندر مصلح بننے کی صلاحیت پیدا ہوگی اور مصلح بنیں تو پہلے اپنوں کی طرف توجہ کریں کیونکہ جنہوں نے دنیا کی اصلاح کرنی ہے جب تک وہ اندرونی اصلاح نہ کریں وہ غیر کی اصلاح نہیں کر سکتے اور اصلاح کے وقت فساد کے بڑھنے کا انتظار نہ کریں بلکہ آثار سے پہچانیں کہ کہاں کہاں فساد کے احتمالات پیدا ہو رہے ہیں۔ ان خاندانوں تک پہنچیں، ان نوجوانوں تک پہنچیں ان بڑوں تک پہنچیں اور پیشتر اس سے کہ ان کا قدم اتنا آگے نکل جائے کہ آپ بھاگ کر بھی ان کو پکڑ نہ سکیں ان تک پہنچیں اور پیار کے ساتھ گھیر کر اُن کو واپس لے آئیں اس کے ساتھ ساتھ آپ غیروں کی اصلاح کی طرف توجہ کریں تو پھر اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ آپ کے حق میں ضرور پورا ہوگا کہ آپ کے فیض سے قومیں بچائی جائیں گی اس بات کی پرواہ نہ کریں کہ اگر قومیں بچتی ہیں تو ان کا کریڈٹ کس کو جاتا ہے۔ دنیا میں جو تاریخ بن رہی ہے یہ دو طرح سے بن رہی ہے ایک تاریخ مہروں کی تاریخ ہے ایک پس پردہ ہاتھ کی تحریر ہے جو مہریں چلا رہا ہے اگر آپ مذہبی دنیا سے تاریخ کا مطالعہ کریں تو بالکل اور قسم کی تاریخ اُبھرتی ہے۔ قرآن کریم نے جب یہ فرمایا کہ ہم نے عہد کیا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ جو سچے

لوگ ہیں، جو مصلحین ہیں وہ خواہ تھوڑے بھی ہوں ان کو زمین کا وارث کیا جائے گا۔ اس نقطہ نگاہ سے جب آپ تاریخ کو دیکھیں تو وہ تاریخ جو دنیا کے نقطہ نگاہ سے مورخین کی لکھی ہوئی تحریر ہے اسے آپ بالکل مختلف پائیں گے اور زمین و آسمان کا فرق ان دونوں تاریخوں میں نظر آئے گا۔ ایک تاریخ کے علمی ثبوت آپ کے پاس نہ بھی ہوں مگر سارا عالم واقعاتی طور پر اس کے حق میں گواہی دے رہا ہے اور ایک تاریخ لکھنے والے ہیں جو ان حقائق کو کلیۃً نظر انداز کر کے ایک اور قسم کی تاریخ لکھتے ہیں اب مثال کے طور پر دیکھیں کہ جب آپ مصر کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے چوٹی کے علماء، مؤرخین نے بڑی محنت کر کے بہت کھوج لگا کر مصر کی تاریخ کو محفوظ کیا ہے اور مختلف زاویوں سے اس کا جائزہ لیا ہے اس تاریخ کے بنانے میں جو عوامل کارفرما تھے ان کا گہرائی سے مطالعہ کیا ہے، اس کے جو نتائج نکلے ہیں ان کا مطالعہ کیا ہے، آپ یہ سارا کچھ پڑھ کر دیکھ لیں آپ کو بنی اسرائیل اور یہود کا اس تاریخ میں کوئی کردار دکھائی نہیں دے گا۔ کہیں اشارۃً وہم کے طور پر مؤرخ لکھ دے گا کہ سُنا ہے کہ موسیٰؑ بھی اس زمانہ میں ہوا کرتا تھا سُنا ہے بنی اسرائیل بھی رہتے تھے، یہود بھی تھے لیکن ہمارے پاس کوئی قطعی ثبوت نہیں ہے کہ فرعون ڈوبا بھی تھا کہ نہیں اور اس کے ساتھ کیا بنا؟ اور یہ بھی قطعی ثبوت نہیں ہے کہ موسیٰؑ کس زمانے میں گزرا تھا اور پھر بعض مورخین لکھیں گے کہ یہ بھی قطعی ثبوت نہیں ہے کہ موسیٰؑ تھا بھی کہ نہیں تھا اور قرآن کریم کہہ رہا ہے کہ ہم نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے اور ہمیشہ سے یہی فیصلہ کارفرما ہوتا چلا آیا ہے کہ جو خدا کے نزدیک سچے رہنے کی اہلیت رکھتے ہیں اللہ ان کو وارث بنائے گا۔

اب آپ مڑ کر دیکھیں کہ مصر اور اس کا سارا علاقہ کن لوگوں کے قبضہ میں دیا گیا۔ بالآخر یہود تو موجود ہیں جو بطور وارث بڑے بڑے علاقوں میں حکومتیں کرتے رہے اور آج تک چلے آرہے ہیں لیکن فرعونیوں اور مصریوں کے دیگر ایسے طبقات جو اس وقت مصر کی سلطنت پر قابض تھے جن کا ذکر مؤرخ بڑی عزت اور احترام کے ساتھ کرتا ہے ان کے دبدبے بھی چلے گئے ان کی شوکتیں بھی مٹ گئیں وہ زیر زمین دفن ہو گئے۔ وارث کون ہے؟ وارث یہود ہیں پھر عیسائیوں کو دیکھ لیں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تاریخ کے زمانہ کا مطالعہ کریں تو اکثر تاریخوں میں آپ کو عیسائیت کا کہیں نشان بھی نہیں ملے گا۔ صلیب کے واقعہ کو گزرے ۳۴ سال ہو جاتے ہیں تو پہلی مرتبہ کہیں تاریخ

میں آپ کو حضرت عیسیٰؑ کا معمولی سا ذکر نظر آتا ہے اور مؤرخ جب اس زمانہ کی تاریخ لکھتا ہے تو اس کو عیسائیوں کا کوئی خاص کردار دکھائی نہیں دیتا۔ سینکڑوں سال کے بعد وہ اس لائق ہوتے ہیں کہ ان کو تاریخ کا حصہ بنایا جائے لیکن قرآن کریم نے فرمایا تھا کہ یہی لوگ وارث ہوں گے۔

پس وہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جو بالکل بے طاقت اور نہتے تھے اور اپنے دشمنوں کے مقابل پر کچھ بھی کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے چند ساتھیوں کو پیچھے چھوڑ کر گئے لیکن اب دیکھیں کہ عیسائیت ساری دنیا میں کتنے وسیع علاقوں کی وارث بنائی گئی ہے۔ تو یہ جو وراثت کا مضمون ہے یہ بہت گہرا ہے اور بہت سچا ہے حضرت کرشنؑ اور حضرت رام چندرؑ کے ماننے والے ہندوستان کے وارث بنا دیئے گئے، حضرت زرتشتؑ کے ماننے والے فارس کے وارث بنا دئے گئے۔ حضرت کنفیوشؑ کے ماننے والے چین کے وارث اور دوسرے مشرقی ممالک کے وارث بنائے گئے۔ تو اگر وراثت کے نقطہ نگاہ سے آپ تاریخ پر نظر ڈالیں تو وہی لوگ وارث ہیں جو اپنے زمانہ میں اس لائق ہی نہیں سمجھے جاتے تھے کہ تاریخ ان کا ذکر کرے اور اگر کرتی تھی تو بہت ہی حقارت کے ساتھ بالکل معمولی سا ذکر کہ سنا ہے کنفیوشس بھی ایک بادشاہ کے سہارے ہوتا تھا اس کے دربار سے لٹکا ہوا ایک شخص تھا یا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے جن کا یہ ذکر چلتا ہے۔ قرآن کی تاریخ دیکھیں کتنی سچی اور کتنی قطعی ہے۔ اس کی زندہ شہادت ہے سارا عالم اس بات کا گواہ ہے کہ وراثت نیکوں اور کمزوروں کو عطا کی جاتی ہے۔ پس مُصۡلِحُوۡنَ کے ساتھ وراثت کا تعلق ہے اگر آپ نے اس دنیا کا وارث بننا ہے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ اللہ کی تقدیر نے آپ کو وارث بنانے کے لئے کھڑا کیا ہے تو آپ کو لازماً مصلح ہونا پڑے گا اور مصلح ہونے کے لئے پہلے اندرونی اصلاح کرنی ہوگی اور پہلے سے مراد ہے کہ اولیت اس کو دینی ہوگی ورنہ دوسرے درجہ پر ساتھ ہی ساتھ باقی دنیا کی اصلاح کے لئے بھی آپ اُٹھ کھڑے ہوں۔ دعوت الی اللہ میں مصروف ہوں اور اپنے بچوں اور بڑوں کی تربیت میں مصروف ہوں۔ تو دیکھیں خدا کی تقدیر کس طرح آپ کے لئے عظیم الشان کام دکھائے گی۔ آج اگر کوئی احمدی یہ دعویٰ کرے کہ آئندہ وہ دنیا کا وارث ہوگا اور مستقبل اس کے ہاتھوں میں دیا گیا ہے تو ساری دنیا اسے پاگل سمجھے گی کہ یہ کتنے بے وقوف لوگ ہیں کتنے جاہل ہیں۔ ان کی کسی ملک میں بھی کوئی حیثیت نہیں اور مستقبل کا مالک بننے کا دعویٰ کرتے ہیں ایک دفعہ ایک Correspondent نے مجھ سے یہ سوال شروع کئے اور وہ اسی

طرح مجھے دیکھ رہا تھا جیسے عجیب بے وقوفوں والی باتیں کر رہے ہیں کہ جی! ہم دنیا کے آئندہ مالک ہیں ہم دنیا کا مستقبل ہیں۔ میں نے کہا تمہیں بات سمجھ نہیں آئے گی تم عیسائی ہو تم پہلے حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں واپس جاؤ وہاں جا کر دیکھو کہ حضرت عیسیٰؑ کا دعویٰ ہمارے دعویٰ کے مقابل پر کتنا مضحکہ خیز دکھائی دیتا تھا۔ ہم نے تو ایک سو سال میں اتنی عظیم الشان ترقی کی ہے کہ ۱۲۶ ممالک میں پھیل گئے ہیں۔ عیسائیت کا ایک سو سال کے بعد کیا حال تھا۔ واپس مڑو۔ وہاں جا کر دیکھو اور پھر غور کرو اور پھر بیشک اُس زمانہ میں تمسخر آمیز مضامین لکھو کہ یہ پاگل، ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اپنے ملک سے نکالے گئے کسی ملک میں بھی ان کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے، کوئی سیاسی حیثیت نہیں ہے، کوئی معاشرتی اور علمی حیثیت نہیں ہے کوئی اقتصادی حیثیت نہیں ہے بالکل معمولی معمولی تعداد میں چند جماعتیں ہیں اور یہ سمجھ رہے ہیں کہ دنیا کے وارث بنائے جائیں گے۔ میں نے کہا کہ واپس جاؤ اور وہاں بیٹھ کر پھر دوبارہ یہ مضمون لکھو کہ عیسائی کتنے بے وقوف لوگ ہیں پہلے سو سال کے اندر جب کوئی رومن بادشاہ چاہتا تھا ان کو اپنے گھروں کے اندر زندہ جلا دیا کرتا تھا اور جب چاہتا تھا ان کو پکڑ کر عدالتوں میں پیش کرتا تھا اور پھر عدالتوں سے یہ فیصلے ہوتے تھے کہ جانوروں کے سامنے ان کو پھینکا جائے اور بھوکے جانور ان کو پھاڑ کھائیں۔ ان کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کریں، بھنبھوڑیں اور ساری دنیا جو تماشا دیکھنے والی ہو وہ ہنسے اور مذاق اُڑائے یہ ان کی طاقت تھی۔ میں نے کہا اس وقت پر مضمون لکھو کہ یہ پاگل کے بچے، ان کی حیثیت کیا ہے۔ جانوروں کو زندہ کھلائے جاتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ ساری دنیا کے وارث بنائے جائیں گے اور آج واپس آکر پھر دیکھو تو دنیا کی کونسی طاقت ہے جہاں یہ وارث نہیں بنائے گئے۔ یہ قرآن کریم کی سچائی کا اعلان ہے اور تاریخ کا ایک مختلف منظر ہے جس کو قرآن کریم نے ایک خاص زاویے سے پیش فرمایا ہے اور اس کا تعلق اصلاح سے ہے۔

پس آپ مُصْلِحُوْنَ ہو جائیں اور وراثت کا معاملہ خدا پر چھوڑ دیں، اس خدا پر چھوڑ دیں وہ خدا جس نے ہمیشہ مُصْلِحُوْنَ کو وارث بنایا ہے اور بناتا چلا آیا ہے اور کبھی اس میں فرق نہیں کیا وہ ضرور آپ کو اس زمین کا وارث بنائے گا اور اس لئے بھی وارث بنائے گا کہ حضرت محمد مصطفی ﷺ سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ لازماً اسلام کو آخر اس تمام زمین کا وارث بنایا جائے گا۔ آپؐ کے طفیل ایسا

ہوگا لیکن وہ صفات اپنے اندر پیدا کرنی ہوں گی جن کا میں نے ذکر کیا ہے اور قرآن کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔

جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے یاد رکھیں کہ مُصْلِحُوْنَ اپنے زور سے اصلاح نہیں کر سکتے۔ اور اصلاح میں ناکام بھی رہیں تب بھی وہی جیتتے ہیں اور مُصْلِحُوْنَ اس لئے کامیاب قرار نہیں دیئے جاتے کہ ان کے اندر حقیقۃً اصلاح کی صلاحیتیں پوری طرح پیدا ہو چکی ہوتی ہیں۔ مُصْلِحُوْنَ تو بعض دفعہ خود اپنی اصلاح بھی نہیں کر سکتے کہ ان کی موت کا حکم آجاتا ہے اور وہ خدا کے حضور حاضر ہو جاتے ہیں۔ ان کی بخشش کا تعلق رحم سے ہے ان کی بخشش کا تعلق اصلاح میں کامیابی سے نہیں ہے۔ چنانچہ وہ قومیں جو اصلاح میں مصروف ہوں اگر اس حالت میں مریں کہ خود ان کے اندر برائیاں موجود رہیں تو ان کو بھی خدا تعالیٰ بخش دیتا ہے اور رحم کے نتیجہ میں بخشا ہے اور اس میں ایک انصاف بھی پایا جاتا ہے۔ انصاف یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے دستور بنالیا ہے کہ جو لوگ نیکی کی کوشش شروع کر دیں اگر نیکی میں کامیاب ہونے سے پہلے مارے جائیں گے تو میں انہیں بخشوں گا۔ رحم سے یقیناً تعلق ہے لیکن ایک بہت باریک اور پاکیزہ انصاف سے بھی اس کا تعلق ہے کیونکہ عمر کا فیصلہ کرنا اللہ کے اختیار میں ہے۔ ایسا شخص جو نیکی کی کوشش شروع کر دیتا ہے اگر وہ مر جاتا ہے تو نہایت لطیف انصاف کی رو سے اگر دیکھا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ سے کہہ سکتا ہے کہ مجھے یہ نہیں پتا کہ آخری نتیجہ کیا نکلتا تھا لیکن تو جانتا ہے کہ جب میں مرا ہوں تو اندرونی طور پر بھی اور بیرونی طور پر بھی اصلاح کی کوشش کر رہا تھا اس لئے خدا تعالیٰ کے نہایت اعلیٰ اور لطیف انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس پر رحم فرمائے اور اس کے اندھیرے مستقبل کا سوال نہ اُٹھائے وہ جانتا ہے کہ اگر وہ زندہ رہتا تو کیا بن جاتا لیکن جس حالت پر موت دی ہے اس حالت کو مستقبل میں لمبا کر دے۔

یہی وہ مضمون ہے جس کو حضور اکرم ﷺ نے اس مثال میں بیان فرمایا کہ ایک بد، بدشہر سے ہجرت کر کے نیکوں کے شہر کی طرف اس نیت سے روانہ ہوا تھا کہ ان کی صحبت میں رہ کر اسکی اصلاح ہو جائے۔ ساری بدیاں اس کے جسم کے ساتھ چمٹی ہوئی تھیں رستے میں اُس کو موت آجاتی ہے اور مرتا اس حالت میں ہے کہ زمین پر گھسٹتا ہوا (آنحضور ﷺ نے یہ نقشہ کھینچا ہے) کہنیوں کے بل، گھٹنوں کے بل کوشش کر رہا ہے کہ کسی طرح میں اس شہر کے قریب ہو کر جان دوں۔ (مسلم کتاب التوبہ حدیث نمبر: ۴۹۶۷) وہ

حدیث آپ نے بارہا سُنی ہے کتنی عظیم اور حیرت انگیز لطیف مضمون پر مشتمل ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ اس کے حق میں فیصلہ کرے گا اور خواہ اس کی موت بدوں کے شہر کے قریب ہو خدا ایسا انتظام کرے گا کہ جب فرشتے فاصلہ ناپیں (یہ ایک تمثیل ہے) تو وہ فاصلہ جو نیکوں کے شہر کی طرف ہے چھوٹا کر دیا جائے گا اور جو بدوں کے شہر کی طرف ہے اُسے لمبا کر دیا جائے گا تا کہ اس شخص کی موت نیکی کے قریب شمار ہو۔ یہ رحم کا مضمون ہے اور کوشش میں جان دینا یہ انصاف کا مضمون ہے۔ تو انصاف کا رحم کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے اس لئے میں نے آپ کو کہا کہ منصف بنیں گے تو مصلح بنیں گے اور منصف بنیں گے تو رحم کے لائق قرار دیئے جائیں گے۔

اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ آگے بڑھا کر اور کھول کر اس کا تعلق رحم سے باندھتا ہے تو آپ مصلح بنیں اور مصلح بننے کی کوشش میں اگر جان جاتی ہے تو کسی خوف کی ضرورت نہیں۔ اللہ بہت رحم کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ کا اعلیٰ انصاف آپ کے لئے رحم میں تبدیل ہو جائے گا لیکن آپ کے متعلق خدا تعالیٰ نے یہ بھی ایک خبر دی ہے کہ کوشش فرض ہے اس کا نتیجہ نکلنا آپ کے اختیار میں نہیں ہے کیونکہ نتیجہ نکلنے کا ایک تعلق تو اللہ تعالیٰ سے ہے اور ایک تعلق لوگوں سے ہے اور خدا کے انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ سابق میں جن لوگوں نے کبھی بھی انکار پر ضد کی ہے ان کی زبردستی اصلاح نہیں کی اس لئے کوششیں خواہ کتنی ہی مخلصانہ کیوں نہ ہوں، کتنی ہی زیادہ دعائیں اس کے ساتھ کیوں نہ ہوں لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ (البقرہ: ۱۲۵) کا مضمون ہمیشہ غالب رہتا ہے۔ وہ لوگ جو اپنی بات پر مصر ہوں ان کی تقدیر نہ کسی کی دُعاؤں سے بدلتی ہے نہ اصلاحی کوششوں سے۔ تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً اگر اللہ تعالیٰ چاہتا، اُسے اختیار ہے۔ قدرت ہے تو تمام بنی نوع انسان کو نیکی پر اکٹھا کر دیتا اور ایک جان بنا دیتا، ایک اُمت بنا دیتا۔ وَ لَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ لیکن وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے کیوں؟ اس لئے کہ خدا تعالیٰ زبردستی کسی کی اصلاح نہیں کرتا اور ٹیڑھے لوگ پھر اپنی کجی پر مصر ہو جایا کرتے ہیں تو مصلحین بظاہر ناکام ہوتے ہیں لیکن جن معنوں میں اب میں نے تفصیل بیان کی ہے فی الحقیقت وہ ناکام نہیں ہوا کرتے کیونکہ پھر وہ زمین کے وارث بنائے جاتے ہیں۔ لَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ سوائے ان کے جن پر اللہ رحم فرمائے۔ یہاں وہی مُصْلِحُوْنَ مراد ہیں جن کے

متعلق میں نے عرض کیا تھا کہ وہ رحم کے نتیجہ میں بچائے جاتے ہیں ورنہ ان کی کوششیں حقیقت میں بنیادی طور پر اتنی اہلیت نہیں رکھتیں کہ ساری دنیا کو تبدیل کر سکیں، نہ بیچاری تبدیل کر سکتی ہیں لیکن کوشش بڑی مخلصانہ ہوتی ہے پھر اندرونی کمزوریاں بھی رہ جاتی ہیں۔ اگر کمزوریوں پر نظر کر کے اللہ پکڑنا چاہے تو ہم میں سے کوئی بھی بخشا نہیں جا سکتا۔ تو رحم کا انصاف سے یہ گہرا تعلق ہے۔ تم کوشش شروع کر دو۔ دیانت داری سے کوشش شروع کرو پھر جس حالت میں بھی موت آئے گی اللہ تعالیٰ تمہیں نیکوں میں شمار کر دے گا۔ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ رَبُّكَ کا یہ معنی ہے کہ سوائے ان لوگوں کے جن پر اللہ رحم فرمائے اور خدا کے رحم کا انصاف سے تعلق ہے۔ ناانصافی سے تعلق نہیں ہے۔ لِذٰلِكَ خَلَقَهُمۡ اللہ نے اسی لئے پیدا کیا تھا کہ ان کے لئے مواقع مہیا کر دے کہ خدا کا رحم ان کو نصیب ہو جائے اور وہ بچائے جائیں لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ بہت تھوڑے ہیں جو خدا تعالیٰ کے رحم کا فیض پانے والے بنتے ہیں۔ وَتَمَّتۡ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمۡلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الۡجِنَّةِ وَ النَّاسِ اَجۡمَعِيۡنَ اور یقیناً خدا کا یہ فیصلہ اپنے کمال کو پہنچا اور رونما ہو گیا کہ لَاَمۡلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ کہ میں ضرور جہنم کو جنات یعنی بڑے لوگوں سے وَالنَّاسِ اور عوام الناس سے بھر دوں گا۔

جو مضمون بیان ہو رہا ہے اسی کی روشنی میں اس آیت کی سمجھ آجاتی ہے ورنہ یہ آیت بہت الجھنیں پیدا کرنے والی نظر آتی ہے۔ ایک طرف اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس لئے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا اور بنی نوع انسان کو پیدا فرمایا تا کہ اللہ ان پر رحم فرمائے۔ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ رَبُّكَ ان کے سوا نہیں بچائے جاتے جن پر خدا رحم کر دیتا ہے اور فرمایا کہ وَ لِذٰلِكَ خَلَقَهُمۡ اس رحم کی خاطر، اس بچائے جانے کی خاطر ان کو پیدا فرمایا ہے اور ساتھ ہی کہہ رہا ہے کہ ہم نے عہد کر لیا تھا کہ جہنم کو چھوٹوں بڑوں سے بھر دیں گے تو جب عہد کر دیا تھا تو پھر رحم کا کیا سوال باقی رہتا ہے؟ لیکن وَ لِذٰلِكَ خَلَقَهُمۡ اور وَتَمَّتۡ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمۡلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الۡجِنَّةِ وَ النَّاسِ اَجۡمَعِيۡنَ کو اکٹھا پڑھیں تو مضمون سمجھ میں آجاتا ہے۔

اس سے پہلے یہ بیان ہوا ہے کہ خدا تعالیٰ زبردستی کسی کو تبدیل نہیں کرتا اور چونکہ وہ عٰلِمُ الۡغَيۡبِ (الانعام: ۷۴) ہے اس لئے وہ جانتا تھا کہ اکثر لوگ رحم سے فائدہ نہیں اُٹھائیں گے۔ اکثر

لوگوں کی خاطر بہت نیک بندے اپنی جان کھپائیں گے، اپنی ساری طاقتیں ان کی اصلاح کے لئے صرف کر رہے ہوں گے۔ وہ آرام سے سو رہے ہوں گے تو وہ راتوں کو اٹھ کر ان کے لئے دعائیں کر رہے ہوں گے وہ ان پر ظلم کر رہے ہوں گے لیکن وہ خدا تعالیٰ سے ان کے لئے رحم کی بھیک مانگ رہے ہوں گے۔

یہ ساری کوششیں بتاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو رحم کے لئے پیدا کیا تھا۔ خدا کی تقدیر، اس کی رحمت کی تقدیر ان پاک بندوں کی صورت میں ان بدنصیب لوگوں کو بچانے کے لئے پوری کوشش کرتی ہے۔ دنیا کی ہر تدبیر وہ اختیار کرتے ہیں اور عقل کے ذریعہ، دلائل کے ذریعہ، تاریخی، علمی، عقلی، نقلی دلائل کے ذریعہ ان پر بات خوب روشن کر دیتے ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جو سمجھ جاتے ہیں کہ ہاں یہی سچا رستہ ہے۔ پھر ان کے لئے دعائیں کرتے ہیں پھر ان کے ساتھ ماریں کھاتے ہیں اور ان کو بچانے کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ ان کو تکلیف پہنچتی ہے تو ان کے لئے وہ غمناک ہو جاتے ہیں اور ان کی زندگی کسی غیر کے دکھوں میں اجیرن بن جاتی ہے۔

یہ باتیں ہیں جن کے لئے خدا نے پیدا کیا تھا یعنی اپنی طرف سے خدا کی جماعت ہر کوشش کر دیتی ہے پھر فرماتا ہے کہ اگر وہ نہیں مانیں گے تو زبردستی نہیں بچایا جائے گا۔ اگر اللہ چاہتا تو اکٹھا کر دیتا لیکن پھر کائنات کا منصوبہ بے معنی ہو جاتا ہے کہ زبردستی کسی کو بچایا جائے اور زبردستی کسی کو ہلاک کیا جائے۔ اگر ہلاکت میں زبردستی کا مضمون اطلاق نہیں پاتا تو بچانے پر بھی زبردستی کا مضمون اطلاق نہیں پائے گا۔ پس وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی بات سچی نکلی کہ ان بدنصیبوں نے ان کوششوں کے باوجود بھی ان سے استفادہ نہیں کرنا تھا اور ان میں سے بھاری تعداد ایسی تھی جس نے ضائع ہو جانا تھا اور ہدایت کا موقع پاتے ہوئے بھی ہدایت سے بدنصیب رہنا تھا لیکن اس مضمون کو سمجھنے کے بعد پھر بھی مایوسی کا کوئی سوال نہیں ہے کیونکہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے جس کثرت سے بنی نوع انسان کا بچایا جانا مقدر ہے اس سے پہلے اس کی کوئی مثال نظر نہیں آتی پس ہمیں لازماً بنی نوع انسان کو بچانے کی کوشش کرنی چاہئے اور دعائیں کرتے رہنا چاہئے اور پھر اس بات کو خدا پر چھوڑ دینا چاہئے وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ کا مضمون تو بہر حال ظاہر ہوگا لیکن وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ کا مضمون بھی لازماً صادر ہوگا اور ظالموں کی صف

لپیٹی جائے گی اور ان ظالموں کے پیچھے ان کے ایسے وارث پیدا ہوں گے جو خدا تعالیٰ کے نزدیک زندہ رہنے کی اور بنی نوع انسان کی راہنمائی کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں گے۔ زمین ان کے سپرد کی جائے گی اور یہ وارث آئندہ دنیا میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے سچے غلاموں کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ آپ کو خدا نے توفیق بخشی ہے کہ اس میدان کو جو خالی پڑا ہے آگے بڑھیں اور بھر دیں خدا تعالیٰ آپ کا فیض ساری دنیا میں پھیلائے اور آپ کے ذریعہ تمام دنیا کو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رحمت کا وارث بنادے۔ یہی دعائیں کرتے رہیں یہی کوشش ہو یہی مطلوب ہو، یہی مقصود زندگی ہو۔

خدا کرے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اس کے رحم کے نتیجہ میں اس سارے مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ آمین